نقد و نظر

عورت کے چہرے اور آواز کا پردہ

سید حسن الدین احمد *

ABSTRACT:

An old disputed subject of purdah of woman's face and voice was discussed in Question and Answer columns of a learned Urdu magazine "Zindagi-e-Nau" (October and December 2010). . Criticizing the answer of a writer, a critic had raised the following questions: Were woman used to participate in discussions in mixed gatherings of two sexes after the age of companions of the Prophet (PBUH)? Can women participate in the community meetings, parliaments, elections, etc? Can women occupy administrative and business posts and offices, etc? In this paper a detailed study of women's rights of politics, business, and social activities has been made in the light of the Qur'an, the Sunnah of the Prophet (PBUH), and his four rightly- guided caliphs.

Keywords: Woman, Vail, Pardah, Face, Voice

''زندگیٔ نو'' اکتوبر 2010ء کے شمارے میں ایک خاتون کے اس سوال کا کہ آیا عورت کی آواز اور چہرے کا پردہ ہے محترم رضی الاسلام ندوی صاحب کا جواب شائع ہوا تھا جو راقم کی نظر میں نہایت مناسب اور متوازن تھا۔لیکن اسی جریدے کے دسمبر 2010ع کے شمارے میں محترم رضی الاسلام ندوی صاحب کے جواب پر محترم احسن مستقیمی صاحب کے شائع شدہ تبصرے نے مجھ جیسے عام قاری کے ذھن میں یہ سوال اٹھا دیا ہے کہ قرآن اور سنت کی واضح روشنی کے مقابلے میں بعد کے ادوار کے چلن اور طور طریقوں کی روشنی کو کیوں پیش کیا جائے؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ ان کو ہرگز کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔اور موجودہ دور میں ان کی کوئی خاص ضرورت بھی نظر نہیں آتی ہے۔البتہ اگر کسی معاملے پر قرآن اور سنت سے خاطر خواہ روشنی نہ پڑ رہی ہو تو بعد کے ادوار کے طور طریقوں کا استعمال اسی صورت حال میں کیا جانا چاہیے جو موجودہ دور سے مطابقت رکھتا ہو ورنہ بصورت دیگر نیا اجتہاد کیا جانا چاہیے۔

پہلے ہم یہاں پر جناب مستقیمی صاحب کے ان سوالات کو نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے تبصرے میں اٹھائے ہیں۔

کیا یہ روشنی صحابۂ کرام کو بھی نظر آئی؟ تابعین اور تبع تابعین کو بھی یہ روشنی نظر آئی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

* ر ۱۹۰، ڈبلیو، جنیوا روڈ، پیوریا، ایلی نوائے، امریکا۔　برقی پتا: mrj.pk2011@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۹/۹/۲۰۱۵ء

خلفائے راشدین اور صحابہ کے بعد کے ادوار میں ایک مجلس میں مرد و خواتین دونوں بیٹھا کرتے تھے؟ اور خواتین بھی میر مجلس سے کچھ باتیں دریافت کرتی تھیں؟ کیا خواتین اپنے یہاں بلاکر یا ان کی خدمت میں حاضری دے کر بوقت ضرورت باتیں کرتی تھیں؟ پنچایت، پارلیمان، الکشنوں، مناصب پر فائز ہوسکتی ہیں؟ تمام شعبوں میں ملازمت کرسکتی ہیں؟ آپ کے جاں نثار صحابہ نے کب کن عہدوں پر فائز کیا؟ خواتین کے وفود کہاں اور کب بھیجے؟ ان کی الگ تنظیم کب تشکیل پائی؟ تجارت کے سلسلے میں کن کن مقامات کے سفر کیے؟ کیا جماعت کے لٹریچر میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جماعت کی خواتین خود انتخاب کرلیں کہ چہرہ کھول کر باہر نکلنے کا موقف انہیں پسند ہے یا ڈھانک کر؟ اور ان سوالات کے ساتھ ہی انہوں نے اردو میں جس نے آواز و چہرے کی بے پردگی کی بات کی ہو اسکی نشان دہی کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان تمام اعمال اور طور طریقوں کے علی الرغم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھے بعد کے طور طریقوں کو معیار بنایا جاسکتا ہے؟ جن معاملات پر قرآن اور سنت کی روشنیاں پڑ چکی ہوں ان پر نئی روشنیوں کی کیا ضرورت ہے؟ اور ان کی طرف کیوں توجہ دی جائے؟ جو معاملات بالکل نئے ہوں جیسے پارلیمانی سیاست وغیرہ انکا حل بعد کی ناکافی روشنی سے کیوں تلاش کیا جائے اور ان کے لیے نیا اجتہاد کیوں نہ کیا جائے؟

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ نے قرآن کو نور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجاً منیراً کہا ہے۔ اور ان ہی دونوں ذرائع کی روشنیوں میں اہل ایمان کو زندگی کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہمیں صرف اور صرف انہیں روشنیوں سے منور کردہ راستوں پر ہی چلنا ہے اور ہم کبھی بھی ان روشنیوں سے مستغنی نہیں ہوسکتے البتہ ان روشنیوں سے منور کردہ راستوں کو حالات کے تحت حکمت کے ساتھ اختیار کرنے کی آزادی ہمیں دی گئی ہے۔ اور دوسری تمام خوبیوں کے ساتھ اسلام کی یہ خوبی بھی اس کو دنیا کے تمام ادیان سے ممتاز کرتی ہے۔

ہم اس سے قطعاً اختلاف نہیں کرتے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے ان روشنیوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے اپنے زمانے اور معاشرتی حالات کے تحت اپنے راستے منتخب کیے تھے۔ لیکن کیا اللہ اور اس کے رسول کی روشنیاں ہر زمانے کے اہل ایمان پر اس بات کو لازم ٹھہراتی ہیں کہ وہ عام صحابہ (خلفائے راشدین کے علاوہ)، تابعین اور تبع تابعین کے انفرادی یا معاشرتی طور پر اختیار کردہ راستوں کو خواہ انکے معاشرتی حالات دوسرے زمانوں کے معاشرتی اور تہذیبی حالات سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں ہر حال میں اختیار کریں۔ اول تو اس سوال کا قطعی جواب نفی میں ہے اس لیے کہ کیا۔ علماء اور فقہاء کے درمیان اس بات پر اتفاق نہیں ہے کہ شارع صرف اللہ اور اس کے رسول ہیں؟ پھر بھی جو لوگ اس جواب کو کافی تسلیم نہیں کرتے وہ ہمیں قرآن اور سنت کی روشنیوں میں یہ تو ضرور بتائیں کہ آخر ہر زمانے کے اہل ایمان کے لیے قرآن اور سنت رسول کے عملی نمونوں کے موجود ہونے کے باوجود تابعین اور تبع تابعین اور انکے معاشرتی رہن سہن کے عملی نمونوں کو بھی اخروی اور دنیوی فلاح کے لیے اختار کرنا کیوں ضروری ہے؟

اس سے پہلے کہ ہم جناب مستقیمی صاحب کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات کی قرآن اور سنت کی روشنی میں نہ کہ تابعین اور تبع تابعین کے چلن اور رسم و رواج سے تحقیق کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یاد دھانی کی خاطر چند ان اصولوں کو اپنے ذھن میں تازہ کرلیں جو علماء وفقہاء کے درمیان متفقہ تسلیم شدہ ہیں اور جن سے ہر زمانے کے معاشرے کے مسائل کے حل حاصل کیے جاتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمام علماء وفقہاء اس پر متفق ہیں کہ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی دین اسلام کے شارع ہیں اور انہیں کے اوامر و نہی کے احکامات ہر زمانے اور حالات میں واجب التعمیل ہیں۔ ضمنی طور پر ان احکامات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ خلفاء راشدین کو بھی مشعل راہ بنایا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک جگہ حکم دیا ہے کہ ''تم پر میری اور ھدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل لازمی ہے''۔ اس کو امام ابن تیمیہ نے بھی ''مجموع الفتاوی'' میں نقل کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں اصولی طور پر حلال اور جائز ہیں

جیسا کہ اللہ نے سورۃ لقمان کی آیت نمبر ۲۰ میں فرمایا ہے کہ:

(کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کردی ہیں)

سوائے ان چیزوں کے جنھیں قرآن اور سنت نے واضح طور پر حرام یا ناجائز قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی امت مسلمہ کو اسی طرح کی ہدایت دی ہے جب یہ فرمایا کہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے کیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے اور جن چیزوں پر سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہیں (ترمذی)۔ اس بات سے ضمنی طور پر یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ کسی چیز یا عمل کو حلال ثابت کرنے کے لیے ثبوت پیش کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کے برعکس کسی عمل کو حرام یا ناجائز بتانے کے لیے قرآن اور سنت سے واضح، صریح اور قطعی ثبوت پیش کرنا ضروری ہے(۱)۔ قرآن وسنت کے کسی حکم کی وضاحت میں اگر اختلاف ہو جائے تو اس کے معنی لامحالہ یہ ہیں کہ حرام یا ناجائز بنانے والے مفروضہ معنی واضح اور صریح نہیں۔ یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ کسی حلال یا جائز عمل یا چیز کو محض احتیاطاً یا اندیشے اور خوف کی بنا پر حرام قرار دینا اللہ کی منشاء اور اصول فقہ کے خلاف ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ حلال اور حرام کے لیے زمانے کے حالات اور ماحول کی رعایت کی جائے گی۔ چناں چہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے فتوے بھی بدل جاتے ہیں۔ اسکی ایک واضح عملی مثال امام شافعیؒ کے بغداد کے دوران قیام کے فتوے اور پھر مصر میں قیام کے دوران کے فتوے میں نمایاں اختلاف کا ہونا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی یا ایھا الذین آمنوا یا یا ایھا الناس کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے تو اس کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہی ہیں(۲)۔ اور پانچویں بات یہ ہے کہ انبیائے سابقہ کی سنت اہل ایمان پر اب بھی واجب التعمیل ہے جیسا کہ سورۃ الانعام

میں اللہ مختلف انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد آیت نمبر ۹۰ میں فرماتا ہے:

''وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انہی کے راستے پر تم چلو''۔

بجز اس کے کہ اسکی کسی معین جز کے نسخ کا کوئی حکم قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بصراحت ثابت ہو(۳،۴)۔اسی سلسلے میں ایک حدیث بھی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جب کبھی کسی معاملے میں براہ راست آسمانی وحی نہیں آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی جاہلی رواج کے بجائے اہل کتاب کے طریقوں کی پیروی فرمایا کرتے تھے۔(بخاری، ترمذی)

اب ہم ایک ایک کر کے روشنی کے ان ہی تینوں ذرائع یعنی قرآن، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنن خلفائے راشدین والمہدیین سے جناب مستقیمی صاحب کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات معلوم کریں گے۔

قرآنی تعلیمات

قرآن نے کہیں بھی عورت کو سیاست میں حصہ لینے سے منع نہیں کیا۔اس کے برعکس قرآن نے ہر قسم کے فرائض و واجبات کی ادائیگی کے لیے مرد اور عورت دونوں پر یکساں ذمے داریاں ڈالی ہیں۔ان فرائض وواجبات میں اللہ کی پرستش کے ساتھ ساتھ معاشرتی، علمی اور سیاسی سارے ہی امور شامل ہیں۔مثال کے طور پر درج ذیل آیت میں اللہ نے بڑی وضاحت سے ان امور کو بیان کیا ہے:

''اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں''۔(التوبۃ:۷۱)

اور یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ سب ذمے داریاں سیاسی زمرے میں بھی شامل ہیں اس لیے کہ سورۃ الحج کی آیت ۴۱ میں کم وبیش یہی ذمے داریاں سیاسی حکمرانوں کی بھی بتائی گئی ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ جب عورتوں اور مردوں کو ان معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کے لیے کہا گیا ہے تو عورتوں کو تو یہ ذمے داریوں آپس میں مل کر اجتماعی طور پر بدرجۂ اولی ادا کرنی چاہیے۔اسی طرح دیکھیے سورۃ القصص کی آیت نمبر ۹ کہ حضرت آسیہ کس طرح فرعون کے ایک سیاسی حکم کے عمل درآمد پر اثر انداز ہوتی ہیں:

''اور فرعون کی بیوی نے اس سے کہا 'یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، کیا عجب کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں'۔اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے''۔(القصص:۹)

اسی طرح دیکھیے کہ سورۃ نمل میں بجائے اس کے کہ قرآن عورت کی حکمرانی کو ایک منکر عمل قرار دے کر اسکی مذمت کرے وہ ملکہ سبا کے طرز حکمرانی کو مطابق شریعت یعنی **امرھم شوری بینھم** پر عمل پیرا دکھاتا ہے:

''ملکہ نے کہا، اے سرداران قوم! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کرتی ہوں''۔(النمل:۳۲)

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سورۃ النسآء کی آیت ۳۴ میں **الرجال قوامون علی النسآء** (یعنی مرد عورتوں پر قوام ہیں) کی تشریح میں جو لوگ مملکت پر صرف مردوں کی حکمرانی کا مفہوم لیتے ہیں وہ صحیح نہیں اس لیے کہ سیاق وسباق کے مطابق یہ آیت صرف کسی خاندانی نظام میں موجود بالغ اور عاقل شوہر اور بیوی کے درمیان حقوق اور فرائض ہی کی نشان دہی کر رہی ہے اور اس کا نظام مملکت پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔اس کے ثبوت میں وہ باتیں ہیں جو اسی آیت میں آگے چل کر اللہ نے بتائی ہیں یعنی شوہر مال خرچ کرتا ہے، بیوی کی ذمے داریاں یہ ہیں کہ وہ شوہر کے مال اور اولاد اور عزت وغیرہ کی محافظ ہے،

اگر بیوی سر اٹھائے تو شوہر کو اصلاح کرنے کے لیے چند اقدامات اٹھانے کا اختیار حاصل ہے وغیرہ۔ان باتوں کا امور مملکت پر آخر کس طرح اطلاق کیا جا سکتا ہے؟

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لیے ملکہ سبا کے سفر کو مثبت انداز سے پیش کر کے قرآن کیا یہ نہیں بتاتا کہ عورت اپنے معاملات یا امور مملکت کی انجام دہی کے لیے نہ صرف یہ کہ غیر محرم سے گفتگو کی خاطر بلکہ غیر محرم مردوں کے ساتھ دور دراز کا سفر بھی کر سکتی ہے؟:

''ملکہ جب حاضر ہوئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی، یہ تو گویا وہی ہے۔ہم تو پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم مسلم ہو چکے تھے''۔(النمل:۴۲)

قرآن کی سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ا سے کیا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عورت معاشرے میں رائج ''ظہار'' جیسے ایک نامناسب قانون کے خلاف نہ صرف یہ کہ آواز اٹھاتی ہے:

''اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے، اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے''۔

بلکہ اس کو غیر مؤثر بنانے میں کامیابی بھی حاصل کرتی ہے۔

''تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں انکی بیویاں انکی مائیں نہیں ہیں۔انکی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے انکو جنا ہے۔یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں''۔(المجادلہ:۲)

کیا یہ بات اس کی دلیل نہیں ہے کہ عورتیں قانون سازی کی تشکیل یا ترمیم یا تنسیخ یا اضافے جیسے معاملات میں آواز اٹھانے یا شرکت کا حق رکھتی ہیں؟

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو واقعہ افک پیش آیا وہ یہی تو تھا کہ آپ نے با پردہ پورے وقار کے ساتھ اکیلے ایک غیر محرم مرد کے ساتھ سفر کیا۔اس بات پر لوگوں نے الزام تراشی کی اور ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ قرآن نے سورۃ النور کی آیت نمبر ۱۲ میں بڑی سختی کے ساتھ الزام کو مسترد کیا:

''جس وقت تم نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے''۔

بلکہ قرآن نے اشارتاً یا کنایتاً بھی اس موقعے پر یہ بات نہیں کی کہ کسی عورت کو فتنے سے بچنے کی خاطر کسی غیر محرم مرد کے ساتھ سفر نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ اس نے اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۶ میں اہل ایمان کو تنبیہ کر کے عورت کے اس عمل کا دفاع کیا کہ وہ تنہا غیر محرم کے ساتھ سفر کر سکتی ہے:

''کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے''۔

قرآن نے کہیں بھی عورت کو کسب معاش یا تجارتی اور معاشرتی لین دین میں حصہ لینے سے منع نہیں کیا ہے۔اس کے برعکس قرآن نے عورتوں کو مال کمانے اور خرچ کرنے کا حق دیا ہے اور اس میں یہ پابندی بھی نہیں لگائی ہے کہ وہ صرف گھر میں رہ کر مال کمائیں:

''جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق انکا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے''۔(النساء:۳۲)

اس آیت سے جو لوگ آخرت کمانے کا مفہوم لیتے ہیں وہ صحیح نہیں۔وہ آیت کے سیاق وسباق کو نظر انداز کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ پہلے ہی لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ وہ ان چیزوں کی تمنا نہ کریں جو اللہ نے اپنے فضل سے دوسروں کو عطاء کی ہیں یعنی وہ لوگوں کو لالچ کرنے یا دنیا کی متاع کے حصول کی دوڑ میں مسابقت سے منع کرتا ہے ورنہ کیا اس نے لوگوں کو نیکی میں مسابقت کا حکم نہیں دیا ہے(البقرہ آیت ۱۴۸)؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مسلم کو اپنا مقابلہ اس سے کرنا چاہیے جو اخروی مال میں اس سے اعلی ہو اور دنیاوی مال میں اس سے کمتر ہو۔اسی طرح اللہ جب یہ کہتا ہے کہ لین دین کے معاملات میں اگر ایک مرد نہ ملے تو دو عورتوں کی گواہی لے لیا کرو (البقرہ آیت ۲۸۲) تو کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ قرآن ایک ایسے معاشرے کی بات کر رہا ہے جس میں جب لین دین کے مسائل طے ہو رہے ہوں گے جو عام طور پر بازاروں یا دفتروں یا گھروں میں ہی انجام پاتے ہیں تو وہاں نہ صرف یہ کہ عورتیں بھی موجود ہوں گی اور معاملات میں پوری طرح حصہ لے رہی ہوں گی بلکہ ایک سے زیادہ تعداد میں حصہ لے رہی ہوں گی؟ لین دین کی ایسی ہی صورتوں کے انجام پانے سے ہی ایک سے زیادہ عورتوں کو بطور گواہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔اب اگر عورتوں کو گھروں تک محدود کر دیا جائے اور انکو

بازاروں یا دفاتر کی آمد و رفت سے روک دیا جائے تو تجارتی یا معاشرتی معاملات میں گواہی کے لیے دو عورتوں کا حصول تو تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔اور قرآن کسی ایسی بات کا حکم کس طرح دے سکتا ہے جو کسی اسلامی معاشرے میں تقریباً ناقابل عمل یا ناقابل یقین ہو۔ ہماری اس بات کو سمجھنے کے لیے مفتی محمد شفیعؒ نے قرآن کی اس مثال سے کہ جو سود لیتا ہے اس کو شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہے کی تشریح کو دیکھیے جس میں یہ بات ثابت کی ہے کہ 'جن' انسانوں پر سوار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو قرآن ایسی مثال نہ دیتا۔(۵)

اسی طرح قرآن سورۃ القصص کی آیت میں عورت کو یہ حق دیتا نظر آتا ہے کہ وہ معاملات کے انجام دینے کی خاطر ملازمین کے چناؤ اور برطرفی میں اپنا کردار ادا کرے یا حصہ لے:

''ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا، ابا جان! اس شخص کو نوکر رکھ لیجیے، بہترین آدمی جسے آپ نوکر رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو''۔(القصص:۲۸)

قرآن نے کہیں بھی واضح اور صریحی انداز میں نہ تو عورتوں کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم دیا ہے اور نہ ہی ان کو غیر محرم مردوں سے حالات کے تحت مہذب اور دل خوش کن انداز سے گفتگو کرنے سے منع کیا ہے اور نہ ہی انکو گھر سے باہر آمد و رفت رکھنے سے منع کیا ہے اور نہ ہی ان کو علم سیکھنے اور سکھانے سے منع کیا ہے۔اس سے پہلے کہ ہم ان آیات کا مطالعہ کریں جن سے درج بالا باتیں حتمی طور پر ثابت ہوتی ہیں ہم ان آیات کا مطالعہ کر لیتے ہیں جن کی بنا پر بعض فقہاء مسلمان عورت کے چہرے اور آواز کے پردے کا حکم اخذ کرتے ہیں۔

سورۃ الاحزاب میں اہل ایمان کو تہذیب سکھائی گئی ہے کہ وہ جب کوئی چیز ازواج مطہرات سے طلب کریں تو حجاب یعنی پردے کے پیچھے سے طلب کریں:

''نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو''۔(الاحزاب:۳)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ یہ حکم بدرجۂ اولی عام مسلمان عورتوں پر بھی نافذ ہے یعنی عام عورتوں اور غیر محرم مردوں کے درمیان ایک دیوار یا پردہ یا ٹوک ہونا چاہیے۔دوسرے معنوں میں عورتوں کو غیر محرم مردوں سے اپنا چہرہ چھپانا چاہیے۔اسی طرح اسی سورۃ الاحزاب کی ایک آیت سے عام عورت کی آواز کے پردے کا حکم اخذ کیا جاتا ہے:

''اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلاء کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو''۔(الاحزاب:۳۲)

حالاں کہ یہاں قرآن نے یہ کہہ کر کہ۔قلن قولاً معروفاً۔(یعنی معروف طریقے سے بات کریں) یہ بات بھی واضح کر دی کہ اس نے مہذب طور پر گفتگو کرنے سے منع نہیں کیا۔

راقم نے اپنی کتاب ''عورت کی قرآنی تصویر'' میں یہ استدلال پیش کیا ہے کہ یہ دونوں آیات صرف ازواج مطہرات

کے لیے مخصوص ہیں اس لیے کہ انکے مراتب عام عورتوں کے مقابلے میں بہت بلند، خصوصی اور علیحدہ تھے لہٰذا ان آیات سے عام عورتوں کے مقابلے میں ازواج مطہرات کے گرد مزید حفاظتی حصار قائم کیے گئے تھے۔ چناں چہ ان حصار کا اطلاق عام مسلمان عورتوں پر کرنا صحیح نہیں۔(۶)

بعض علماء نے سورۃ النور کی درج ذیل آیت سے چہرے کے پردے کا حکم اخذ کیا ہے:(۷)

''اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے''۔(النور:۳۱)

ان کا کہنا ہے کہ عورت کی زینت میں اس کا چہرہ اور ہاتھ بھی شامل ہیں لہٰذا انکو ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ عورت بذات خود مکمل زینت ہی ہے لہٰذا اس کو مکمل طور پر سر سے پیر تک ڈھکا ہی رہنا چاہیے البتہ جس کپڑے سے وہ اپنے کو مکمل طور پر ڈھانکے وہ اگر ہوا وغیرہ سے کھل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور یہ علماء اپنی تائید میں وہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مراۃ (یعنی عورت) کل کی کل عورۃ (یعنی ستر) ہے۔ ہم اس حدیث پر انشاء اللہ آگے چل کر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس آیت سے چہرے کے پردے کا استدلال صحیح نہیں۔ انکے نزدیک ''ما ظہر منہا'' سے مراد دراصل عورت کا چہرہ اور اس کے ہاتھ ہیں۔ خود آج کے دور میں علامہ یوسف القرضاوی اور علامہ ناصر الدین البانیؒ بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ نہ صرف جید صحابۂ کرام جیسے حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم وغیرہ نہ صرف چہرے اور ہاتھ کے پردے کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ اس کے بھی قائل تھے کہ عورت کی آنکھ کا سرمہ اور ہاتھ کی انگوٹھی بھی ان اشیاء میں شامل ہیں جنکو چھپانے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت قتادہ نے ہاتھ کے کنگن کو بھی ان میں شامل کیا ہے جنکا چھپانا ضروری نہیں۔ اور جید فقہاء امام ابوحنیفہ (جو عورت کے پیر کھلے رہنے کے بھی قائل تھے)، امام مالک، شافعی علماء (المہذب)، حنبلی علماء (المغنی) اور ابن حزم (المحلی)۔ سعید بن جبیر، اوزاعی اور عطاء رحم اللہ علیہم عورتوں کے چہرے اور ہاتھوں کے کھلے رہنے کے قائل تھے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ علیہ نے بھی یہ لکھا ہے کہ چہرے اور ہاتھ کے پردے کے معاملے میں صحابۂ کرام میں اختلاف تھا اور وہ خود عورتوں کو اس بات کا مجاز سمجھتے ہیں کہ جہاں وہ مناسب سمجھیں اپنا چہرہ کھول سکتی ہیں۔(۸)

چہرے کے پردے کے قائلین سورۃ الاحزاب کی درج ذیل آیت کے الفاظ ''یدنین علیہن'' سے یہ مراد لیتے ہیں کہ لباس اس طرح بدن پر لپیٹا جائے جو چہرے کو بھی چھپا لے:

''اے نبی، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی جلباب ڈال لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں''۔

(الاحزاب:۵۹)

لیکن اس تشریح پر فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔جمہور علماء کے نزدیک ''جلباب'' وہ لباس یا چادر یا چغہ ہے جو بدن پر پہنا جاتا ہے اور چہرے کو نہیں چھپاتا لہٰذا اس آیت میں عورت کو چہرے کے پردے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔اور یہ بات عام فہم ہے کہ جس بات کی تشریح میں اہل علم اور اہل زبان میں اختلاف ہو اس کے مثبت یا منفی پہلو کو حتمی طور پر حلال یا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے مرد کے لیے عورت کے چہرے اور اس کے سینے کے ابھار دونوں ہی میں بے پناہ کشش رکھی ہے لیکن یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ نے سورۃ النور کی درج بالا آیت نمبر ۳۱ کے درج ذیل جملے میں مردوں کی نظروں اور کشش سے بچانے کی خاطر عورت کو خود اس کے خمار (سر کا لباس یا دوپٹہ) سے اسکی جیب (سینہ یا شگاف یا گردن) چھپانے کا حکم تو دیا ہے۔

''اور اپنے سینوں پر اپنے دوپٹوں کے آنچل ڈالے رہیں''۔(النور:۳۱)

لیکن اس کو اپنا پرکشش یا حسین چہرہ چھپانے کا حکم نہیں دیا۔کیا اس بات سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جیب تو ستر میں ہے مگر چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں؟ اور اس لیے بھی کہ عورتوں کے حسین چہروں کی کشش کے اثرات سے مردوں کو بچانے کے لیے اللہ نے عورت کو منہ چھپانے کا حکم نہیں دیا بلکہ حسب موقع دو جگہوں پر مردوں کو ہی احتیاطی اقدام کرنیکا حکم دیا ہے۔

ایک جگہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۲ میں اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید شادی سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:

''اس کے بعد تمہارے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں، اور نہ اسکی اجازت ہے کہ انکی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ انکا حسن تم کو کتنا ہی پسند ہو''۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حسین عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بے پردہ آیا کرتی تھیں۔اللہ نے عورتوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ آپؐ کے سامنے نقاب ڈال کر آیا کریں بلکہ آپؐ کو برداشت اور صبر کی تلقین کی۔اسی طرح ایک دوسری جگہ سورۃ النور کی آیت نمبر ۳۰ میں اللہ نے عام مردوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی عورت کو دیکھیں تو غض بصر سے کام لیں یعنی عورت کے چہرے پر نظریں نہ گاڑیں بلکہ اپنی نظریں نیچی کرلیں۔مردوں کے چہروں میں بھی جنس مخالف کے لیے کشش ہوتی ہے اسی لیے عورت کو بھی اگلی آیت میں حکم دیا گیا کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی کرلیا کریں۔ اس حکم سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سڑکوں اور بازاروں میں عورتیں ہوتی تھیں اور انکے چہرے بھی کھلے رہتے تھے۔یہ کہنا کہ سڑکوں اور بازاروں میں یہ صرف غیر مسلم عورتیں ہوا کرتی تھیں جن کے چہرے کھلے رہتے تھے جن کو دیکھنے سے منع کیا جارہا تھا دراصل ایک عام معاشرے کو بے ثبوت خاص اور محدود بنانا اور ناحق کی تاویل کرنا ہے جیسا کہ ہم آگے

چل کر دیکھیں گے کہ مسلم خواتین بھی عام طور پر چہرہ نہیں چھپاتی تھیں۔ چناں چہ اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ ایک اختلافی بات کو انسانوں کی نصف سے زائد جنس پر واجب التعمیل قرار دینا کہاں تک درست ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن جگہ جگہ عورتوں کے مختلف واقعات اس انداز میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جن سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نہ صرف یہ کہ عام عورت پر اس کے چہرے یا آواز یا اسکی نقل وحرکت پر عمومی طور پر سرے سے کوئی پابندی ہی عائد نہیں کرتا بلکہ معاشرے میں بالعموم فطری انداز سے انکو کھلے چہرے کے ساتھ غیر محرم مردوں کے درمیان بات چیت اور نقل وحرکت کرتے ہوئے پیش کرتا ہے۔ایک مثال کا تو ہم دو عورتوں کی گواہی کے سلسلے میں پہلے ہی مطالعہ کر چکے ہیں۔ہم یہاں چند اور مثالیں پیش کرتے ہیں۔قرآن ہمارے سامنے سورۃ القصص کی آیات نمبر ۲۳۔۲۵ میں یہ منظر کشی کرتا ہے کہ مدین کی دو جوان لڑکیاں (کیا یہ عورتوں کے گروپ بنانے یا اکٹھا ہو کر کسی کام سے باہر نکلنے کی کم از کم تعداد نہیں ہے؟) کس طرح اپنی روزمرہ ضروریات کی خاطر نہ صرف یہ کہ گھر سے باہر بے پردہ نکلتی ہیں بلکہ ایک غیر محرم مرد سے گفتگو بھی کرتی ہیں:

''اس نے دیکھا کہ لوگوں سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔موسیٰ نے ان عورتوں سے پوچھا 'تمہیں کیا پریشانی ہے؟' انہوں نے کہا، ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو نہ نکال لے جائیں''۔(القصص:۲۳)

اسی طرح اسی سورۃ کی ایک آیت کے مطابق ان دونوں لڑکیوں میں سے صرف ایک لڑکی اکیلی آکر حضرت موسی علیہ السلام سے بات کرتی ہے:

''ان دونوں میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی، میرے والد آپکو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو پانی جو پلایا ہے اس کا اجر آپکو دیں''۔

(القصص: ۲۵)

سورۃ آل عمران سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی حضرت زکریاء علیہ السلام نہ صرف یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں اس وقت تشریف لے گئے جب وہ گوشۂ تنہائی میں تھیں بلکہ ان دونوں نے آپس میں گفتگو بھی کی:

''اسنے کہا بے شک یہ اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے''۔(آلِ عمران:۳۷)

اللہ تعالی خود مسلمانوں سے یہ کہتا ہے کہ اسے علم ہے کہ وہ بیوہ یا مطلقہ عورتوں سے نکاح کی بات کریں گے۔ وہ انہیں اس گفتگو سے منع نہیں کرتا بلکہ جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ یہ کہ جب تک وہ عدت وغم میں ہوں وہ شادی (خوشی) کی بات نہ کریں:

''خواہ تم ان بیوہ عورتوں کے ساتھ منگنی کا ارادہ اشارے کنایے میں ظاہر کردو، خواہ دل میں چھپائے رکھو، دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ انکا خیال تو تمہارے دل میں آئے گا ہی۔ مگر دیکھو خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا۔ اگر کوئی بات کرنی ہے تو معروف طریقے سے کرو''۔ (البقرۃ: ۲۳۵)

یہ بات سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ نکاح یا شادی کی بات نہایت شستہ، مہذب اور دل خوش کن انداز سے ہی کی جاتی ہے ورنہ اگر کوئی عورت خواہ وہ دوشیزہ ہی کیوں نہ ہو اپنا چہرہ بھی چھپائے اور کرخت آواز میں بات کرے تو کون اس سے شادی پر تیار ہوگا؟

قرآن بغیر کسی استثناء کہ یہ بات ہمارے سامنے رکھتا ہے کہ اہل علم اور لاعلم برابر نہیں ہیں:

''ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کبھی دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟'' (الزمر: ۹)

کیا اس آیت میں عورتوں کو حصول علم سے منع کیا گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کا جتنا مردوں پر اطلاق ہوتا ہے اتنا ہی عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح کیا درج ذیل آیت میں جن علماء کا ذکر ہے ان میں عورتیں شامل نہیں ہیں؟

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں''۔ (فاطر: ۲۸)

کیا علم کے حصول اور اس میں اضافے کے لیے جدوجہد کرنا عورت پر فرض نہیں ہے؟ کیا درج ذیل دعاء صرف مردوں ہی کے لیے بتائی گئی ہے؟

''اے پروردگار مجھے مزید علم عطاء فرما''۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

قرآن نے تو خود سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۴ میں ازواج مطہرات کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ وہ دوسروں کو بھی ان باتوں کی تعلیم دیا کریں جن کا مطالعہ وہ خود اپنے گھروں میں کرتی ہیں (۹،۱۰)۔ فرمایا:

اور سکھاؤ اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔

مختصر یہ کہ قرآن نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۸ میں یہ کہہ کر کہ:

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر وہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں''۔

عورتوں کو وہ تمام معروف حقوق عطاء کر دیے ہیں جو معاشرے میں مردوں کو حاصل ہیں۔

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ کہہ کر کہ **انما النسآء شقائق الرجال** (یعنی عورتیں مردوں کی بہنیں یا شریک ہیں۔ بخاری) عورتوں اور مردوں کو معاشرے میں یکساں حقوق عطاء کر دیے ہیں۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی کوئی

حدیث روایت نہیں کی گئی ہے جس میں آپؐ نے کسی ایسی عورت سے جسکا چہرا کھلا ہوا تھا یہ کہا ہو کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانکے۔اسی طرح ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس میں آپؐ نے کسی عورت سے کہا ہو کہ اسکی آواز کا پردہ ہے یا وہ اگر بات کرے تو کرخت انداز اختیار کرے جب کہ آپؐ سے بے شمار خواتین ملنے اور باتیں پوچھنے کے لیے آتی تھیں۔اس کے برعکس ہم مختلف مثالوں سے دیکھیں گے کہ عورتیں آپؐ کے پاس بے پردہ آتی تھیں اور نہ صرف یہ کہ آپؐ ان سے ملتے تھے بلکہ انکو دیکھتے تھے،ان سے باتیں بھی کرتے تھے،انکی تربیت بھی کرتے تھے اور بسا اوقات انکی باتوں کے انداز کی تعریف بھی کرتے تھے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تمام علماء اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ حج اور عمرے کے احرام میں عورتوں کو اپنا چہرہ لازماً کھلا رکھنا ہے؟ چناں چہ ہم ایک حدیث میں دیکھتے ہیں کہ حج کے دوران ایک جوان عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھلے چہرے کے ساتھ آتی ہے اور ان سے باقاعدہ مسائل پر گفتگو کرتی ہے۔آپؐ کے ساتھ اونٹنی پر آپؐ کے چچازاد بھائی فضل بن عباسؓ بھی بیٹھے تھے جو اس عورت کو بغور دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی ان کو دیکھنے لگی۔آپؐ نے جب یہ بات محسوس کی تو عورت سے یہ کہنے کے بجائے کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانک لے آپؐ نے اپنے ہاتھ سے حضرت فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا اور یہ عمل کئی بار ہوا (نسائی۔ترمذی)۔کیا اس واقعے سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ عورت کا اپنا چہرہ کھلا رکھنا اس کا حق تھا جس پر پابندی نہیں لگائی گئی بلکہ غض بصر کے تحت غیر محرم کا چہرہ پھیرا گیا۔دوسری بات یہ سمجھنا بھی اہم ہے کہ اگر عام حالات میں غیر محرم مردوں کے سامنے چہرے کا کھلا رکھنا گناہ اور قابل مواخذہ عمل ہے تو عبادت کے دوران اس کا کھولنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔یہ بات تو قرین قیاس ہے کہ جو باتیں عام حالات میں جائز ہوں ان کو عبادت یا احرام کے دوران ممنوع کر دیا جائے کہ بندے اللہ کے حضور ہوتے ہیں اور ایسا ہے بھی جیسا کہ احرام کی حالت میں شکار کرنا منع ہے یا نماز کی حالت میں بولنا منع ہے وغیرہ۔لیکن یہ بات نہ صرف یہ کہ ناقابل یقین ہے بلکہ یہ عمل تو صریحی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خلاف ورزی ہے کہ عبادت اور احرام کی حالت میں بندوں کو گناہ اور اللہ و رسول کے احکامات کی خلاف ورزی کی نہ صرف اجازت دی جائے اور ایسا کرنے کو لازم بھی قرار دیا جائے بلکہ کوئی کر رہا ہو تو اس کو منع بھی نہ کیا جائے جب کہ فتنہ پیدا بھی ہو رہا ہو۔چناں چہ جب عورتوں کو احرام اور عبادت کے دوران چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے تو اس سے لازماً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عام روزمرہ زندگی میں جو عورت اپنا چہرہ کھلا رکھتی ہے وہ قطعاً نہ کوئی گناہ کرتی ہے اور نہ ہی اللہ یا رسول کی نافرمانی کرتی ہے اور چونکہ اللہ اور اس کے رسول نے نہ صرف یہ کہ صریحی اور واضح طور پر چہرہ ڈھانکنے اور غیر محرم مردوں سے بات نہ کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا ہے بلکہ معاشرے میں ایسی عورتوں کو جو چہرہ نہیں ڈھانکتی ہیں، غیر مردوں سے باتیں کرتی ہیں اور گھروں سے باہر نکلتی ہیں باعزت طور پر قبول کیا ہے اور یہ انسان کی اس فطرت کے عین مطابق ہے جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔اور جو عورتیں بعض آیات یا بعض احادیث کی تشریح میں اختلاف کی بنا پر چہرہ

ڈھانکتی ہیں یا غیر محرم مردوں سے باتیں نہیں کرتیں یا گھروں سے باہر نہیں نکلتیں تو وہ اپنے فہم واختیار کو استعمال کرتی ہیں اور انہیں اس کا حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں بغیر کسی روک ٹوک کے گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں۔مسجدوں میں نماز کی ادائیگی کے لیے جاتی تھیں اور بغیر کسی پردے، دیوار یا اوٹ کے اپنی علیحدہ صفیں بناتی تھیں۔بعض لوگوں نے جب اپنی عورتوں پر پابندی لگانی چاہی تو آپؐ نے یہ کہہ کر انکو منع کر دیا کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرو (بخاری)۔ جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں بھی عورتیں جایا کرتی تھیں۔عیدین کی نمازوں میں تو عورتوں کو خاص طور پر شرکت کا حکم دیا گیا تھا (ام عطیہ۔مسلم)۔تا کہ وہ ایسے مواقع پر گھر میں بیٹھے رہنے کا اپنا صوابدیدی اختیار استعمال نہ کریں۔حرم مکہ میں تو آج بھی عورتیں مردوں کے درمیان اپنی صفیں بناتی ہیں اور کھلے عام نماز ادا کرتی ہیں۔اگر اس طرح کا میل جول ناجائز اور گناہ ہے تو حرم کے احاطے میں تو اسے بدرجۂ اولی ناجائز ہونا چاہیے تھا۔

آپؐ سے ایک اس قسم کی حدیث مروی ہے جس میں ایک مسلم کے ایک دوسرے مسلم پر چھ حقوق بتائے گئے ہیں: سلام کا جواب دے، دعوت کو قبول کرے، مشورہ مانگنے پر مشورہ دے، جنازے میں شرکت کرے، چھینک پر الحمد للہ کہنے پر دعا دے اور مریض کی عیادت کے لیے جائے (مسلم)۔ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ **افشوء السلام بینکم** (یعنی آپس میں سلام کو رواج دو) (بخاری)۔کیا یہ دونوں حدیثیں عام نہیں ہیں اور انکا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر نہیں ہوتا؟۔انکے ساتھ ہی ایسی احادیث بھی ہیں جن میں مرد اور عورت نے آپس میں سلام و جواب کا تبادلہ کیا جیسے ام ھانیؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اس وقت تشریف لائیں جب آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت عائشہ اور حضرت جبرئیل علیہما السلام کا سلام و جواب کا تبادلہ کرنا (بخاری)۔ان سے یہ معلوم ہوا کہ نہ عورت کی آواز کا پردہ ہے اور نہ ہی اسکی نقل وحرکت پر کوئی پابندی ہے۔اسی طرح ایک اور حدیث ہمارے سامنے آتی ہے جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جب وہ قبرستان جائیں تو کیا دعاء پڑھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو قبرستان جانے سے منع کرنے کے بجائے وہ دعاء بتائی جو وہاں پڑھنی چاہیے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت نہ صرف یہ کہ قبرستان جاسکتی ہے بلکہ اکیلے ہی جاسکتی ہے۔ایک اور حدیث سے بھی اسی طرح کے نتائج واضح ہوتے ہیں۔مختصراً اس قدسی حدیث میں اللہ اپنے بندے سے کہتا ہے کہ اگر اسنے فلاں بیمار کی عیادت کی ہوتی، بھوکے کو کھانا کھلایا ہوتا اور پیاسے کو پانی پلایا ہوتا تو وہاں اللہ کو موجود پاتا (مسلم)۔کیا اس حدیث کا اطلاق صرف مردوں پر ہوتا ہے؟

کیا اس حدیث میں عورتوں کو بھی ضرورت مند نامحرم مردوں کے ساتھ حسن سلوک اور باتیں کرنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے؟

ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام السائبؓ جو بخار میں مبتلا تھیں کی عیادت کے لیے

تشریف لے گئے۔ جب انھوں نے بخار کو برا بھلا کہا تو آپؐ نے ان کو ایسا کہنے سے منع کیا (مسلم)۔ کیا اس سے غیر محرم مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کی عیادت کے لیے جانا اور گفتگو کرنا ثابت نہیں ہوتا؟

جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا ہے کہ جہاں ایک عورت اور ایک غیر محرم مرد اکٹھے رہتے ہیں وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے (مسند احمد)۔ اس سے ایسی ملاقات کے حرام ہونے کا حکم نہیں نکلتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت اور مرد کو اکیلے ملاقات میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کہ کسی تیسرے کی غیر موجودگی سے شیطان کے مقابلے میں انکی قوت مدافعت کمزور ہو جاتی ہے ورنہ شیطان تو وہاں بھی موجود ہوتا ہے جہاں دو سے زیادہ لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو ابن ام مکتومؓ کے گھر اپنی عدت کے ایام گزارنے کا حکم دیا اور وجہ یہ بتائی کہ جب وہ کپڑے اتاریں گی تو وہ نابینا ہونے کی وجہ سے انہیں دیکھ نہ سکیں گے (بخاری ومسلم)۔ کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عورت ایک غیر محرم کے گھر میں محفوظ ہو تو تنہا رہ سکتی ہے، اور بات کر سکتی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''**طلب العلم فریضه علی کل مسلم**'' (مسلم)۔ کیا اس حدیث کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عورتیں بھی تعلیم اور درس کے لیے آپؐ کی محفلوں میں مردوں کے ساتھ ساتھ شرکت کیا کرتی تھیں۔ عورتیں آپؐ سے اپنے پوشیدہ اور جنسی مسائل پر بھی سوال و جواب کیا کرتی تھیں (۳)۔ عورتوں کے حصول علم کے لیے آپؐ نے ہفتے میں ایک خاص دن بھی مقرر کیا ہوا تھا (بخاری)۔ آپؐ نے ایک خاتون سے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ ایک زوجہ محترمہ کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں (۸ بحوالہ ابوداؤد)۔ کیا محدثین نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے کثیر تعداد میں احادیث روایت نہیں کی ہیں؟ کیا ان واقعات سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درس و تدریس و عبادات کے اجتماعات عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے کھلے ہوتے تھے اور عورتیں اس میں کھلے چہروں کے ساتھ شرکت کیا کرتی تھیں اور کھلے عام گفتگو میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو علمی درس و تدریس کے اجتماعات میں شرکت کے لیے سرے سے کسی کی اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ (ھدایہ، فتاوی عالمگیری)

جب علم کی بات کی جاتی ہے تو اس میں دنیاوی مسائل بھی شامل ہیں اس کو صرف دینی مسائل تک محدود کر دینا ایک بہت نقصان دہ غلطی ہے۔ یہ امت مسلمہ کی کتنی بڑی بدقسمتی تھی کہ ایک دور میں عورتوں کو بالکل ہی لکھنے، پڑھنے اور حصول علم جیسے فرائض دین کے میدان سے ہی خارج کر دیا گیا تھا۔ نتیجتاً نہ صرف یہ کہ امت مسلمہ کی نصف آبادی جاہل بنا دی گئی بلکہ خود مردوں کے لیے علوم الدنیاء یعنی سیاست، طب اور فنون حرب وغیرہ اتنے غیر اہم کر دیے گئے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب امام غزالی کو اپنی کتاب **احیاء علوم الدین** میں لکھنا پڑا کہ مسلم معاشرے میں مسلم طبیب کا ملنا اتنا مشکل ہو گیا تھا کہ عورتوں کی بیماری کے علاج اور شہادت کے لیے بھی غیر مسلم طبیب کی مدد لینی پڑتی تھی۔ کیا ایسے کاموں کے لیے مسلمانوں

کو باعلم عورتوں (طبیبہ) کی ضرورت نہیں؟

وائے ناکامیٔ متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اسی طرح عورتیں آپؐ کے ساتھ گھروں سے باہر نکل کر جنگ و جہاد میں بھی حصہ لیا کرتی تھیں۔ کیا عورتوں نے شہر کے باہر میدان احد، بدر اور خیبر وغیرہ کی جنگوں میں شرکت نہیں کی؟ عورتیں مجاہدوں کی مرہم بٹی کرتیں، پانی پلاتیں اور میدان جنگ میں گرے ہوئے دشمنوں کے تیر اٹھا اٹھا کر لاتیں اور مجاہدوں کو دیتیں۔ روایات میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ میدان جنگ میں عورتیں اپنی ذمے داریوں کی انجام دہی کے دوران اپنے لباسوں کے پائنچے اوپر اٹھا لیا کرتی تھیں (بخاری)۔ جنگ احد میں ایک خاتون نصیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا نے لڑائی میں حصہ لیا اور زخمی ہوگئیں (۱۱)۔ عورتوں نے خیبر، حنین، اور یمامہ کی جنگوں میں بھی شرکت کی (۱۲)۔ صحابۂ کرام کی بیویوں نے جنگ یرموک میں مردوں کی بنفس نفیس مدد کی تھی (۳)۔ صرف حضرت ام عطیہ نے سات جنگوں میں بنفس نفیس حصہ لیا (مسلم)۔ سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں کہ اگر جہاد کا حکم عام ہو تو کسی بھی عورت کو اس جہاد میں شرکت کے لیے کسی بھی ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے (۱۳)۔

ایک حدیث کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے اور وہ اسے اچھی لگے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور اپنی خواہش پوری کرے (مسلم)۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ معاشرے میں عموماً عورتیں چہرے کا پردہ نہیں کرتی تھیں تب ہی تو ان کو دیکھنے کے عام مواقع حاصل تھے۔

ایک حدیث کے مطابق ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے کو ھبہ کرنے کے لیے آئی۔ آپ نے اس کو بغور دیکھا پھر نظر گھمالی۔ وہ عورت وہیں مردوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ایک صحابی جنھوں نے بھی اس کو دیکھا تھا رسول اللہ سے اس عورت سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ وہ عورت اس پر تیار ہوگئی (بخاری و مسلم)۔ کیا اس حدیث سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ عورت نہ صرف علانیہ بے پردہ غیر محرم مردوں کے درمیان آسکتی ہی بلکہ ان سے اپنی شادی کے لیے بات بھی کرسکتی ہے؟ اسی طرح ایک حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا کہ انہوں نے ایک لڑکی سے منگنی کرلی ہے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ ''کیا تم نے لڑکی کو دیکھا ہے؟ زندگی میں پائدار محبت کے لیے باہم ایک نظر دیکھنا چاہیے'' (مسند احمد، نسائی، ترمذی)۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو بات اخذ کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ کچھ عورتیں اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھیں (اور یہ شخصی آزادی کا حق تھا)۔ اس حدیث سے یہ بات اخذ کرنا کہ چہرہ ستر میں داخل ہے قطعاً غلط ہے اس لیے کہ اسلام کسی بھی مرد یا عورت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی پسند تلاش کرنے کی خاطر کسی دوسرے مرد یا عورت کے ستر کھولنے یا کھلوانے کا مطالبہ کرتا پھرے۔ جو لوگ یہ معنی لیتے ہیں ان کے نزدیک عورت ان بھیڑ بکریوں کی مانند ہے جنکو خریدنے کے لیے گاہک انکے منہ کھول کر انکے

دانت گنتا پھرتا ہے کہ اسے خریدے کہ نہ خریدے۔اور اگر یہ معنی لیے جاتے ہیں کہ صرف اس عورت کو دیکھا جاسکتا ہے جس سے منگنی ہو چکی ہو تو کیا دیکھنے والے مرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اگر چہرہ ناپسند ہو تو منگنی توڑ دے اور دوسری عورت تلاش کرے؟ آخر مرد کو منگنی توڑ دینے کا حق کیوں نہیں ہے جب کہ وہ شادی کے بعد بھی طلاق دینے کا غیر مشروط حق رکھتا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بھی یہی حقوق نہیں دیے ہیں کہ وہ ناپسند منگنی کو توڑ دے یا ناپسند شادی کو فسق کرادے؟ اسلام ہرگز ہرگز عورت کو مردوں سے کم تر نہیں سمجھتا اس لیے کہ ہم اس باب کے شروع میں ایک حدیث میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ عورتیں مردوں کی شریک یا بہنیں ہیں۔ دراصل لفظ ''شقائق'' استعمال ہوا ہے جس کا صحیح ترجمہ کرنے سے اردو زبان قاصر ہے۔ چناں چہ اس حدیث میں ان عورتوں سے جو اپنا چہرہ چھپاتی ہیں یہ کہا گیا ہے کہ زندگی میں پائدار محبت کے حصول کی خاطر شوہر کے چناؤ میں جس طرح وہ مردوں کے چہروں کو آزادانہ دیکھنے کا حق رکھتی ہیں اسی طرح انہیں یہ حق مردوں کو بھی دینا ہے۔

چہرے کے پردے کے حق میں ایک یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ ''المراۃ عورۃ'' (یعنی عورت کل کی کل ''ستر'' ہے) (البانی۔ارواالغلیل)۔ یہاں لفظ ''عورۃ'' کا اردو میں ترجمہ عام طور پر ''ستر'' کیا جاتا ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ستر کا کھولنا سوائے اضطراری کیفیات کے کلیتًا اور متفقاً حرام ہے۔اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ عبادات اور معاملات جیسے شادی کے لیے چناؤ وغیرہ کے مواقع پر جو اضطراری نہیں بلکہ عادی معاملات ہیں چہرہ نہ صرف کھلا رکھا جاتا ہے بلکہ ایسا کرنے کا حکم ہے۔لہٰذا یہاں ''عورۃ'' کا ترجمہ ''ستر'' کرنا صحیح نہیں۔تو اس حدیث میں اس کے صحیح معنی کیا ہو سکتے ہیں؟ دراصل عربی لفظ ''عورۃ'' کے کئی معنے ہیں۔خود قرآن میں یہ لفظ ''کھلے ہوئے'' یا ''غیر محفوظ'' ہونے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے (الاحزاب آیت ۱۳)۔ ''عورۃ'' کے معنی کمزور ہونا بھی ہے۔اس حدیث میں ''عورۃ'' کے جو معنی مناسب معلوم ہوتے ہیں وہ ''حیران کن'' یا ''خیرہ کن'' یا غیر محفوظ ہیں (۱۴)۔یعنی عورت کل کی کل جاذب نظر یا دل کش یا خطرے سے پر ہے۔لہٰذا اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل ہیں۔

ایک حدیث کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے زیادہ سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ کم ہی عورتیں جنت میں جائیں گی تو ایک عورت یہ سوال کرنے کھڑی ہوئی کہ آخر کیوں کم عورتیں جنت میں جائیں گے؟ راوی کا بیان ہے کہ اس عورت کے گال سرخی مائل کالے ہو رہے تھے (بخاری و مسلم)۔کیا اس حدیث سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اس عورت کے چہرے پر کوئی نقاب نہ تھا تب ہی تو راوی نے اس کے چہرے کی کیفیت بیان کی۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چہرے کا کھلا رہنا عام بات تھی ورنہ اس کے چہرے کے کھلے ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے لازماً یہ کہتے کہ وہ اپنا چہرہ ڈھانکے۔اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ عورت کی آواز کا پردہ نہیں تھا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بولنے پر اسے ٹوکتے۔اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

عورتوں سے کوئی ایسی بات ہوتے دیکھی جو شرع کے خلاف تھی تو آپ نے اسی وقت تنبیہ کی تھی۔ مثلاً جب حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کو باریک لباس پہنے ہوئے دیکھا جس میں سے آپ کا بدن جھلک رہا تھا تو آپؐ نے نہ صرف اپنا منہ پھر لیا بلکہ انکو بتایا کہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ سوائے چہرے اور ہاتھ کے (ہاتھ کے اشارے سے) وہ اپنا جسم غیر محرم مرد کے سامنے کھولے (ابوداؤد)۔ اسی طرح کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب آپؐ نے ایک عورت کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو اس سے پوچھا کہ اس نے اسکی زکوۃ ادا کی ہے یا نہیں؟ آپؐ نے اس عورت سے یہ نہیں کہا کہ وہ ہاتھ یا کنگن چھپائے۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چہرے اور ہاتھ اور ان میں پہنے ہوئے زیورات ستر میں شامل نہیں۔ اسی طرح عورت کے بدن پر ایسے لباس جن سے اس کے بدن کے نشیب وفراز ظاہر نہ ہوں وہ بھی ستر میں شامل نہیں۔ اس کے ثبوت میں اول تو درج بالا حدیث ہی کافی ہے کہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اپنے بدن کا لباس بھی چھپاؤ بلکہ لباس کو جسم کے چھپانے سے مشروط کر دیا اور لباس کا ایک مقصد بھی بتا دیا۔ ایک اور حدیث بھی ہے جس میں آپؐ نے عورت کو چست لباس پہننے سے منع فرمایا ہے کہ بدن کے نشیب وفراز ظاہر نہ ہوں۔ چناں چہ عورت حسب فیشن یا مرضی کسی بھی ساتر لباس میں غیر مردوں کے سامنے آسکتی ہے۔ اگر ایک عورت بغیر برقع پہنے ہوئے غیر محرم مرد کے سامنے نہیں آسکتی تو ان احادیث میں چست لباس یا باریک لباس پہننے کا حکم ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔

عورت باہر نکل کر کام کاج کر سکتی ہے۔ ایک اور حدیث کے مطابق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اپنے شوہر زبیر بن عوامؓ کا کھیتی باڑی کے کام میں گھر سے باہر کھیت پر جا کر ہاتھ بٹاتی تھیں۔ اپنے سر پر اناج اور گھاس کے گٹھر لاد کر شہر لاتیں اور فروخت کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی اس عمل پر منع نہیں کیا بلکہ ایک حدیث کے مطابق ایک دفعہ آپؐ نے انکو بوجھ اٹھائے کھیت سے شہر کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو ازراہ ہمدردی اور مدد انکو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھانے کی پیش کش کی لیکن یہ الگ بات ہے کہ حضرت اسماءؓ نے اپنے شوہر حضرت زبیر بن عوامؓ کی غیرت کا خیال کرتے ہوئے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اپنا وقت مفید کاموں میں لگانے کی تلقین کی اور انکے لیے چرخہ کاتنا بہترین مشغلہ قرار دیا۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ حضرت ام ایمنؓ گھر سے باہر نکل کر ملازمت کیا کرتی تھیں؟ اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کھالوں کی تجارت کیا کرتی تھیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت سودہؓ کو اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کی خاطر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی تھی (بخاری)۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ حضرت ام سلمہؓ نے مکے میں اپنے قبیلے سے نکل کر اپنے گود کے بچے کو لے کر مدینے میں اپنے شوہر ابوطلحہؓ کے پاس جانے کے لیے اکیلے ایک غیر محرم مرد کے ساتھ مدینے تک کا سفر کیا۔ بے شک ایک حدیث میں آپؐ نے عورت کو بغیر کسی محرم کے ساتھ کے اس سفر سے منع کیا تھا جو کم از کم ایک دن اور ایک رات کا ہو (مسلم)۔

اس حدیث میں بغیر محرم رات ودن کے سفر کی ممانعت کا مقصد دراصل عورت کو غیر محفوظ راستوں میں محافظ مہیا کرنا ہے ورنہ اگر راستے محفوظ ہوں یا راستوں میں دوسروں کی حفاظت مہیا ہو تو عورت کو اکیلے سفر کرنے کا حق حاصل ہے اس لیے کہ ایک دوسری حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ ایک عورت حیرہ (عراق) سے حج کے لیے اکیلی سفر کرے گی اور اسے راستے میں سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہ ہوگا (بخاری ومسلم)۔آج کل تو راستے گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ وسائل سفر میں حفاظت کی خاطر کافی تعداد میں عورتوں اور مردوں کا ساتھ ہوتا ہے۔

بعض لوگ عورت کے سیاست میں حصہ لینے کو حرام کہتے ہیں اور وہ یہ حکم اس حدیث سے اخذ کرتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس کی حکمراں ایک عورت ہو۔ یہ حدیث اس واقعے سے متعلق ہے جس میں ایران میں ایک عورت حکمراں بن بیٹھی تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بربادی کی یہ پیش گوئی دراصل ایرانی قوم کے لیے تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس قوم پر ایک عورت مطلق العنان یعنی ڈکٹیٹر ہو کر حکومت کرے گی وہ قوم کو فلاح سے ہمکنار نہیں کر سکتی اس استنباط کے صحیح ہونے کا ثبوت ہمارا وہ مطالعہ ہے جو ہم نے اس سے پہلے قرآنی تعلیمات کے تحت کیا ہے جس میں اللہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ملکہ سبا نے ''شوری بینھم'' (یعنی آپس کے مشورے) کے اصول کے تحت حکمرانی کی تھی اور اپنی قوم کو فلاح سے ہمکنار کیا تھا۔ کیا ہماری سمجھ بوجھ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ درج بالا حدیث نے ایک ایسے تاریخی واقعے کے عمل اور نتیجے کو منسوخ کر دیا ہے جو نہ صرف یہ کہ واقع ہو چکا تھا بلکہ جس میں ماضی بعید کی ایک عورت حکمراں نے موجودہ اور حال کے نافذ شرعی احکام کے تحت حکومت کی تھی اور اپنی قوم کو فلاح کی طرف لے گئی تھی؟ تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے؟ کیا سیاست میں حصہ لینے کے لازمی معنی مطلق العنان حکمرانی ہی کے حصول کی جدوجہد کرنا ہے؟ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں نے سیاست میں حصہ لیا اور جسکی ایک مثال ہم قرآنی تعلیمات کے تحت ''ظہار'' کے معاملے میں دیکھ چکے ہیں۔ یہاں ہم کچھ مزید مطالعہ کریں گے۔

ایک حدیث کے مطابق ایک دفعہ رسول اللہ کی مجلس میں جہاں مرد وعورت سبھی ہوتے تھے حضرت اسماء بنت یزیدؓ تشریف لائیں اور آپ نے سب کے سامنے عورتوں کی نمائندگی کرتے ہوئے تقریر کی کہ مرد جہاد پر جاتے ہیں اور اس کا ثواب حاصل کرتے ہیں جب کہ عورتیں عموماً گھر میں رہ جاتی ہیں اور جہاد کے ثواب سے محروم رہتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف انکی تقریر کی تعریف کی بلکہ مردوں کی توجہ بھی ان کے حسن بیان کی طرف دلائی (ابوداؤد)۔ کیا اس واقعے سے یہ بات ابھر کر سامنے نہیں آتی کہ عورت نہ صرف یہ کہ مردوں کے اجتماع میں تقریر کر سکتی ہے، عورتوں کی نمائندگی کر سکتی ہے بلکہ جہاں سیاسی اور انتظامی معاملات زیر بحث آتے ہیں وہاں اپنی شرکت کا مطالبہ بھی کر سکتی ہے؟

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہ حلق وقربانی پر تیار نہیں ہو رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ سے اس مسئلے کے حل پر نہ صرف یہ کہ مشورہ کیا بلکہ اسی کے مطابق عمل بھی کیا؟

آج کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ دین سے بے بہرہ اور مغرب زدہ عورتیں سیاست میں بڑھ چڑھ کر نہ صرف حصہ لیتی ہیں بلکہ اقتدار میں آکر دینی تعلیمات کو بالکل ہی مٹانے کے مشن پر لگی ہوئی ہیں۔ کیا اسکی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ دیندار عورتیں نہ صرف گھر گھر جا کر عورتوں کو دین کی سرفرازی کے کام کے لیے آمادہ کریں بلکہ پارلیمانی اجتماعات میں بھی شریک ہوں تاکہ وہ مغرب زدہ عورتوں کے حربوں کو ناکام بنا سکیں۔

خلفائے راشدین والمہدیین

خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی عورتیں مسجد جایا کرتی تھیں اور مردوں کے ساتھ دینی، اور معاشرتی معاملات میں شرکت کیا کرتی تھیں۔

اگر چہ یہ واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنی زوجہ محترمہ عاتکہؓ بنت زید کو مسجد جانے سے منع کرنا چاہا تو آپ کی زوجہ نے یہ کہہ کر کہ ''جب تک اللہ یا اس کے رسول منع نہیں کریں گے میں مسجد جاتی رہوں گی'' حضرت عمرؓ کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وہ برابر مسجد جاتی رہیں۔ یہ سوء اتفاق تھا کہ جب مسجد میں نماز فجر کے دوران حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو وہ نماز میں شریک تھیں (بخاری)۔ ایک دفعہ جب عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیٹے بلال کو یہ حدیث سنائی کہ عورتوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرو تو بلالؓ نے کہا کہ وہ تو اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے منع کریں گے۔ اس جواب پر عبد اللہ بن عمرؓ سخت ناراض ہوئے اور اپنے بیٹے کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ ''میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا اور تمہاری یہ جرأت کہ تم عورتوں کو منع کرنے کی بات کرتے ہو'' (بخاری)۔۔ یہ بہت بعد کی بات ہے کہ فتنوں سے بچانے اور حفاظت کی خاطر مسلمان مردوں نے نہ صرف اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے منع کرنا شروع کیا بلکہ بعض ممالک میں بالکل ہی ممنوع کر دیا۔

بخاری نے ایسے کئی واقعات روایت کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ہی غیر محرم کی عیادت کے لیے جاتے تھے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: ام المؤمنین حضرت عائشہ حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی عیادت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی عیادت کے لیے گئے۔ حضرت ام مبشر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہما کی عیادت کے لیے گئیں۔ حضرت ام درداء نے ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہما کی عیادت کی۔

سیاست میں عورتوں کے عملی حصہ لینے کے کئی واقعات تاریخ میں درج ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے نہ صرف سیاست میں حصہ لیا بلکہ بنفس نفیس جنگ جمل میں بھی حصہ لیا یہ الگ بات ہے کہ ایک حدیث کے مطابق ان میدانوں میں انکا موقف حق کے ساتھ نہ تھا مگر اس سے یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ اگر عورت سیاست اور جنگ میں حصہ لینا چاہے تو شریعت اسے منع نہیں کرتی اس لیے کہ کافی کثیر تعداد میں اکابر صحابہ جیسے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہم نے انکی سیاسی

اور جنگی مہمات میں انکا ساتھ دیا تھا۔اور کسی بھی موقعے پر کسی نے بھی انکو اس بات سے اس لیے منع نہیں کیا تھا کہ عورت ہونے کی وجہ سے یہ مہمات ان کے لیے حرام تھیں بلکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ کتے بھونکنے والی حدیث سے ان کو یہ معلوم ہوا کہ انکی مہمات کی طرف داری حق کے خلاف تھیں اور انہوں نے فوراً اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔عورتوں کے سیاست میں حصہ لینے کے اور بھی کئی واقعات درج کیے گئے ہیں جیسے ام المؤمنین حضرت سودہؓ نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان خلافت کے نزاع پر حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور بعد میں جب حضرت معاویہؓ حکمراں ہوگئے تو آپ نے ان سے اپنے قبیلے کے لیے مراعات حاصل کیں۔اسی طرح ایک اور خاتوں حضرت عکرشہ بنت عطرش نے بھی حضرت معاویہؓ سے اپنے قبیلے کے لیے مراعات حاصل کیں۔ام المؤمنین حضرت عائشہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو خطوط میں امور سلطنت کے بارے میں مشورے دیا کرتی تھیں۔اسی سلسلے میں جب ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا تو ام المؤمنین نے ایک خط میں انکو سخت تنبیہ کی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کو بازار میں اشیاء کے نرخ اور خرید وفروخت کا نگراں مقرر کیا تھا۔اب یہ بات عام فہم ہے کہ آپ بازاروں میں گھوم پھر کر ہی اپنے فرائض ادا کیا کرتی تھیں۔حضرت سمراء بنت ہینک بازاروں میں جا کر تاجروں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا کرتی تھیں۔اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب ایک مرتبہ یہ کہا کہ وہ چاہتے تھے کہ عورتوں کے مہر کی مقدار پر پابندی لگا دیں تو ایک عورت نے کھڑے ہوکر ان کو ٹوکا کہ جب اللہ نے قنطار بھر سونا دینے کا تذکرہ کیا ہے (النساء: آیت ۲۰) تو وہ پابندی لگانے والے کون تھے؟ جس پر حضرت عمرؓ نے اپنا اعلان واپس لے لیا۔کیا یہ عورت کا سیاسی اور انتظامی میدان میں حصہ لینا نہیں تھا؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایسے اجتماعات میں عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں اور برابر کا حصہ لیتی تھیں اور کسی کو اس پر اعتراض نہیں تھا۔

اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بعض ازواج مطہرات کو حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہم کی معیت میں حج پر بھیجا تھا؟ (بخاری)۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے اپنے بعد نئے خلیفہ کے چناؤ کے لیے جو کمیٹی بنائی تھی اس کے سربراہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے جب مدینے کے لوگوں سے خلیفہ کے لیے رائے شماری کی تو آپ نے عورتوں سے بھی رائے لی تھی؟ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت ام حرامؓ ایک دور دراز علاقے قبرص کے جہاد پر اسلامی فوج کے ساتھ نہ صرف یہ کہ گئیں بلکہ اس میں حصہ بھی لیا۔(بخاری)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ایک بہت بڑی معلّمہ تھیں۔آپ ایک زبردست فقیہہ (قانون داں) تھیں۔بڑے بڑے صحابۂ کرام آپ سے درس لیتے اور مسائل دریافت فرمایا کرتے تھے۔کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلامی معاشرے میں نہ صرف یہ کہ عورت کی آواز کا کوئی پردہ نہیں تھا بلکہ عورت قاضی کا کردار بھی ادا کرسکتی ہے؟ آپ شعر وادب اور تاریخ دانی میں بھی شہرت رکھتی تھیں۔آپ نہ صرف یہ کہ طب کا علم رکھتی تھیں بلکہ علاج ومعالجہ بھی کرتی تھیں۔کسی نے آپ سے

پوچھا کہ ''آپ نے طب کا علم کس سے حاصل کیا؟'' آپ نے جواب دیا کہ ''جب کسی مریض کو کوئی علاج بتایا جاتا تو میں اس کو یاد کرلیا کرتی تھی'' (ابن ابی ملیکہ۔مستدرک)۔حضرت عائشہؓ ہی کی ایک شاگرد عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ بھی علم حدیث کی ماہر تھیں۔ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ اور انکی صاحبزادی بھی ماہر فقہ و قانون تھیں۔حضرت ام درداءؓ کا علم و فضل میں اتنا اونچا مقام تھا کہ امام بخاری نے ان کی فقہی آراء کو قابل حجت قرار دیا ہے۔اسی طرح کئی صحابیات جیسے فاطمہ بنت قیس، ام سلیم اور ام عطیہ وغیرہ رضی اللہ عنہن بھی جلیل القدر معلمات تھیں۔ان سب سے بڑے بڑے فقہاء نے استفادہ کیا تھا اور ان سے درس لیے تھے۔

حضرت اسماء بنت مخرومؓ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں (۱۲)۔ایک خاتون چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں جو صحابی ان سے ملنے آتے آپ انہیں سلام کرتیں اور چقندر کھلایا کرتی تھیں (بخاری)۔کیا اس سے یہ باتیں ثابت نہیں ہوتیں کہ عورت نہ صرف یہ کہ زراعت کا کام کرسکتی ہے، غیر محرم مرد کی میزبانی کرسکتی ہے اور اس سے بات بھی کرسکتی ہے۔

محض اس خوف سے کہ اگر عورتوں کو بھی مردوں کی طرح معاشرے میں کسب معاش، حصول تعلیم، رہن اور سہن، حقوق العباد کی ادائیگی، سیاست اور دعوت دین کی سرگرمیوں اور تفریحات میں حصہ لینے کے حقوق دیدیے گئے تو معاشرے میں فساد اور فتنہ پیدا ہوگا انکو گھروں میں محصور کردیا گیا۔

عورت کو گھر میں محبوس کرنا تو ایک سزا تھی جو قرآن نے عبوری طور پر بدکار عورتوں کے لیے تجویز کی تھی اور پھر بعد میں اسے بدل بھی دیا تھا۔

> ''تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو، اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے''۔(النساء:۱۵)

اور بعد کے ادوار کے مسلمانوں نے آزاد اور باعزت عورت کو فتنے سے بچانے کے عذر کی بنا پر گھروں میں محصور کردیا۔کیا اسلام اسکی اجازت دیتا ہے کہ محض شک یا خطرے کی بنا پر کسی سے اسکی نقل و حرکت کی آزادی چھین لی جائے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں افک جیسا فتنہ پیدا نہیں ہوا؟ کیا غامدیہ عورت اور ماعز جیسے مرد کے واقعات رونما نہیں ہوئے؟ مگر ان سب کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو قرآن نے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو گھر کی چہار دیواری میں محبوس کیا بلکہ اس کے برعکس بحیثیت انسان کے اس کو جو حقوق دیے گئے تھے وہ سب برقرار رکھے گئے۔واللہ اعلم بالصواب۔

مراجع وحواشی

(مراجع کی فہرست مختصر رکھنے کی خاطر قرآن اور حدیث کے حوالے ہم نے متن ہی میں موقع ومحل پر درج کر دیے ہیں)

(۱) علامہ یوسف القرضاوی۔اسلام میں حلال وحرام (ترجمہ شمس پیرزادہ)۔لاہور: اسلامک پبلی کیشنز

(۲) ڈاکٹر سید حسن الدین احمد۔(۲۰۰۸ء)۔''حسن البنا شہید اور انکا پیغام''۔زندگی نو۔نومبر سنہ ۲۰۰۸ء۔نئی دھلی

(۳) ڈاکٹر یوسف القرضاوی۔فتاوی (ترجمہ سید زاہد اصغر فلاحی)۔لاہور: دار النوادر

(۴) ڈاکٹر حمید اللہ۔''قرآنی تصور مملکت''۔مقالات حمید اللہ (مرتبہ زیبا افتخار)۔کراچی: قرطاس

(۵) مفتی محمد شفیع۔معارف القرآن۔کراچی: ادارہ معارف

(۶) ڈاکٹر سید حسن الدین احمد۔''عورت کی قرآنی تصویر''۔لاہور: ادارہ معارف اسلامی یا زندگی نو۔ستمبر سنہ ۲۰۰۸ء۔نئی دھلی

(۷) مولانا سید ابوالاعلی مودودی۔پردہ۔لاہور: اسلامک پبلی کیشنز

(۸) ڈاکٹر حمید اللہ۔''عہد نبوی کا نظام تعلیم''۔مقالات حمید اللہ (مرتبہ زیبا افتخار)۔کراچی: قرطاس

(۹) عبداللہ یوسف علی۔قرآن کریم ترجمہ ومعانیہ وتفسیرہ (انگریزی)۔سعودی عرب: مجمع الملک فہد

(۱۰) مولانا ابوالاعلی مودودی۔تفہیم القران (حاشیہ)۔لاہور: ادارہ ترجمان القرآن

(۱۱) احمد پرویز۔اسلامک ھورائزنس۔۴۳ (۲) ص ۳۸ بحوالہ غضنفر، احمد۔اسلام کی عظیم خواتین۔ریاض۔سنہ ۲۰۰۱ء

(۱۲) مولانا سید جلال الدین عمری۔عورت اسلامی معاشرے میں۔لاہور: اسلامک پبلی کیشنز

(۱۳) سید قطب شھید۔فی ظلال القرآن (ترجمہ سید حامد علی)۔لاہور: البدر پبلی کیشنز

(۱۴) امام راغب اصفہانی۔مفردات القرآن (ترجمہ مولانا محمد عبدہ فیروز پوری)۔لاہور: شیخ شمس الحق، اقبال ٹاؤن